© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

دینی مدارس کا امتیازی کردار اور امریکی مہم

ذرائع ابلاغ اور عالمی حالات پر نظر رکھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ اس دور کی سپر طاقت مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے درپے ہے، خصوصاً وہ نظامِ تعلیم جس کے ذریعے مسلمان اپنے دینی عقائد کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسلامی تصورات و نظریات کو پختہ کرتے ہیں۔ اخبارات میں آئے روز ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں ایک طرف سرکاری نظامِ تعلیم کا قبلہ درست کرنے کے اقدامات کا تذکرہ ہوتا ہے تو دوسری طرف دینی مدارس کو بھی اصلاح اور توازن واعتدال کا درس دیا جاتا ہے۔ تواتر سے شائع ہونے والی ان خبروں کے بعد ہر آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ امریکہ کو ہمارے نظامِ تعلیم سے آخر ایسے کونسے خطرات لاحق ہیں جن کی وجہ سے وہ ہماری حکومت کے ذریعے ان میں ہر قیمت پر اصلاح وترمیم کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔

فرد کی ذہنی وفکری تعمیر میں والدین، ماحول اور معاشرہ سب ہی اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں لیکن جدید دور کے مخصوص حالات میں نمایاں ترین کردار اس درسگاہ کا ہوتا ہے جہاں ایک بچہ روزانہ اپنے دن کا اہم ترین حصہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے گزارتا ہے۔ ان اساتذہ کی طرف سے یا نصاب ونظامِ تعلیم کے ذریعے جو نظریات اسے سکھائے جائیں، وہ اس کے ذہن پر مرتسم ہوجاتے ہیں اور اس کی آئندہ زندگی کے رویوں کا بہت سا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس نے کس نصابِ تعلیم یا کن اساتذہ سے تحصیل علم کیا ہے۔

اسلامی معاشرہ کو خالص اس کی اپنی راہ سے دور کرنے اور مغربی سوچ کا خوگر بنانے کے لئے اس وقت دو قسم کے طریقہ کار اپنائے جارہے ہیں۔ جدید استعماری اصطلاح میں یہ دونوں طریقے 'ہارڈ اور سافٹ پاور' کہلاتے ہیں۔ امریکی جریدہ 'فارن پالیسی' کے مدیر جوزف نائی کی پیش کردہ اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ مدمقابل کو سختی کے ساتھ کسی نقطہ نظر کو اپنانے پر

مجبور کرنے کی بجائے ایسے طریقے استعمال کیے جائیں جن میں شعور کے بغیر وہ از خود ہی ان ترجیحات کو اپنے فکر وعمل میں اپنا لے جو اس کا حریف اُس سے چاہتا ہے۔ گویا آسان الفاظ میں جنگی یا حریفانہ حکمتِ عملی کی بجائے غیر محسوس طریقے سے مقابل کے عقیدہ ونظریہ میں ایسی ترمیم روبہ عمل لائی جائے جس کے بعد وہ اپنے مقابل کے ذہن سے ہی سوچنے لگ جائے اور مزاحمت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ جناب پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''طاقت کا یہ پہلو کہ دوسرے وہ چاہنے لگیں جو آپ چاہتے ہیں۔ 'سافٹ پاور' کا انحصار سیاسی ایجنڈے کو ترتیب دینے کی اس قابلیت پر ہوتا ہے جو دوسروں کی ترجیحات کا تعین کرے۔ اس حکمتِ عملی پر مؤثر عمل کے لئے 'ابلاغ کی قوت' کا استعمال مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اور اقتصادی قوت کا ہدف افکار، اقدار اور کلچر کی تبدیلی ہے، اسی نئی جنگ میں اصل مزاحم قوت مقابل تہذیب کا عقیدہ، نظریہ، اُصول اور اقدار بن جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں عوام کی اسلام سے وابستگی اور اپنی تہذیب اور اقدار کے بارے میں استقامت مغرب کیلئے سب سے بڑا دردِ سر بنی ہوئی ہے۔'' ('روشن خیال اعتدال پسندی' ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۴ء)

فی الوقت امریکہ مسلم ممالک میں دونوں طریقوں کو اپنا رہا ہے۔ بعض ممالک میں سختی اور بزورِ بازو اپنے مقاصد کی تکمیل کروانا اور بعض کو چالبازانہ حکمتِ عملی کے ذریعے اپنے مقاصد سے ہم آہنگ کرنا۔ پاکستان اور اسلامی دنیا کے اہم ممالک میں ان دنوں دوسرا طریقہ استعمال کرنے کو ترجیح دی جارہیہے۔ اس میں ابلاغی قوت کے ذریعے مخالف قوم کے نکتہ نظر کو متاثر کیا جاتا ہے۔ سروے، معلومات اور اعداد وشمار کے سائنسی ہتھکنڈوں سے اُنہیں ذہنی طور پر مرعوب اور آہستہ آہستہ اپنے نظریات کا قائل کیا جاتا ہے۔ مختلف سفارتی وفود یا سیاسی بیانات کے ذریعے ملک میں ایک مخصوص فضا سازگار کی جاتی ہے، یہ ذرائع ابلاغ ملک کی نظریاتی سرحدوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس طریقہ کا دوسرا اہم ذریعہ نصاب اور نظامِ تعلیم کی تبدیلی ہے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ نصاب اور نظامِ تعلیم کی تبدیلی کا یہ امریکی دباؤ صرف پاکستان میں نہیں بلکہ مصر، کویت، یمن، افغانستان، عراق، ملائشیا بالخصوص سعودی عرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس نصاب ونظامِ تعلیم کا دباؤ ہر نئے دن بڑھتا جارہا ہے اور اس حوالے سے پاکستان میں آغا خانیوں کا کردار ہر محبّ

© fasailojaraid.com

وطن وملت کے لئے بہت سی پریشانیوں کا سبب بنا ہوا ہے۔

گذشتہ دنوں انڈیا کے دورے پر آئے ہوئے پرنس آغا خاں نے انڈین حکومت کو نئے دور کے تقاضوں سے متعارف کراتے ہوئے 'ارشاد' فرمایا:

''روحِ عصر کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور روح عصر یہ ہے کہ ایک عالمی آفاقی برادری جنم لے رہی ہے جس کا منبع نظم وانصرام ایک دستور ہوگا یعنی یہ عالمی وآفاقی اور انسانی برادری ایک دستور کے ماتحت ہوگی۔ اس میں جغرافیائی حالات اور مختلف قبائلی ونسلی تقاضوں کوملحوظ رکھا جائے گا۔ اب یہ حقیقت بن چکی ہے جس کا جتنا جلد ادراک کرلیا جائے، دنیا کے لئے اتنا ہی بہتر ہے۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قومی ریاستوں کا دور اب ایک قصہ پارینہ ہوگیا، اب عالمی حکومت ایک حقیقت بن چکی ہے، کوئی مانے یا نہ مانے یہ ہوکر رہنا ہے۔ اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے اور اس کا ساتھ دیا جائے تو تصادم اور تخریب سے بچا جاسکتا ہے۔''

(سہ روزہ دعوت دہلی: یکم دسمبر۲۰۰۴ء)

اس عالمی قبضہ کے لئے امریکہ کی ضرورت یہ ہے کہ وہ ایسے تمام نظریات کو ابتدا میں ہی پنپنے سے ہی روک دے جو کل کلاں اس کی برتر قوت کے لئے چیلنج بن سکتے ہیں۔ اس جملے میں یہ لطیف اشارہ بھی موجود ہے کہ اس دور میں دہشت گردی کا تصور اب یہ بن گیا ہے کہ جو اس عالمی سپر قوت کے مقاصد میں حائل ہو اور اس کو اپنی من مانی سے روکتا ہو، گویا وہ تصادم اور تخریب کا راستہ اختیار کرتا ہے، وہ یہ جواز دیتا ہے کہ اپنی عالمی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے امریکہ اس کے خلاف جارحیت استعمال کرے۔ دوسرے الفاظ میں امریکہ کو دہشت گردانہ کاروائی کے لئے موقعہ فراہم نہ کرنا ہی اس دور میں دہشت گردی ہے۔ جو مظلوم ظالم کے خلاف کھڑا ہوتا ہے، اس نئے عالمی دور کا دستور یہ ہے کہ اس کے ظلم کا ہاتھ روکنا دہشت گردی ہے!!

'سافٹ پاور' کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ تو اس مضمون میں ممکن نہیں، عقل وشعور رکھنے والے ابلاغی قوت کو سمجھتے اور جانتے ہیں، ایسے ہی مختلف اسلامی ممالک میں جاری تعلیمی جنگ کی بہت سی تفصیلات بھی اخبارات میں آرہی ہیں اور یہ موضوع بھی علیحدہ سے تفصیلات کا متقاضی ہے۔ پاکستان میں سرکاری تعلیم کے حوالے سے آغا خانیوں کو سونپا جانے والا کردار بھی ایک سال سے ہمارے ملک میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے اور حالیہ دنوں اس میں مزید پیش

رفت ہوئی ہے۔ جن باتوں کی حکومت پچھلے سال تردید کررہی تھی، وہی چیزیں کھل کر اور زیادہ شدت سے اب روبہ عمل آرہی ہیں۔ ہم اس موضوع پر تفصیل سے اپریل ۲۰۰۴ء کے شمارے میں اپنے خیالات وخدشات کو پیش کر چکے ہیں۔

ان بہت سے موضوعات پر اہل علم لکھتے رہیں گے، اور ان کے لئے بہت سے رسائل وجرائد سرگرم بھی ہیں۔ البتہ دینی مدارس جو اِس حالیہ امریکی مہم کا خاص ہدف ہیں، ان کے بارے میں تاحال کوئی تفصیلی بحث ہماری نظر سے نہیں گزری، یوں بھی دینی مدارس سے خود وابستہ ہونے کے ناطے ان کے دفاع اور قارئین کو اس سے آگاہ کرنے کا فرض ہمیں ادا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، اس بنا پر ہم یہاں صرف دینی مدارس کے حوالے سے اپنے خیالات اور حالیہ مہم میں ان کو موضوع بنانے کی وجوہات پر بحث کریں گے۔

کسی بھی مسئلے پر پیش قدمی سے قبل اس کے متعلق ذرائع ابلاغ میں ایسی فضا کو تخلیق کیا جاتا ہے جس کے بعد مطلوبہ مقاصد کی تحصیل کے مواقع نسبتاً آسان ہوجاتے ہیں۔

دینی مدارس اور ذرائع ابلاغ

دینی مدارس مسلمانانِ برصغیر کی ایسی درخشندہ روایت ہیں جن سے اُنہوں نے اپنے دین وایمان کو محفوظ کرنے کے لئے اپنے ذاتی وسائل پر انحصار کیا ہوا ہے۔ یہ مدارس تاریخ میں ایسی تابندہ مثال ہیں جس کی نظیر نہ صرف دوسری قوموں بلکہ خود دوسرے مسلمان ممالک کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ اِنہی مدارس کو باقی رکھنے کے لئے یہاں کے مسلمانوں نے قربانیوں اور عزم وہمت کی ایسی تاریخ رقم کی ہے جس کا مطالعہ ایمان ویقین کو حرارت بخشتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی بہ نسبت ملکی وملی درد کی زیادہ فراوانی، معاشرہ میں اسلامی اقدار کی بہتر پاسداری اور عوام الناس کی اسلام سے گہری وابستگی کا جو واضح فرق دیکھنے میں آتا ہے، اس کے پیچھے ان مدارس کی زرّیں خدمات ہی کارفرما ہیں۔

ان مدارس کو دنیا بھر کی سب سے بڑی این جی او مان لینے اور ان کے محکم کردار کو تسلیم کرنے کے باوجود ذرائع ابلاغ میں مدارس کے بارے میں تصویر کا ہمیشہ ایسا رخ پیش کیا جاتا ہے، جس کے بعد ایک عام مسلمان کے ذہن میں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ شکوک وشبہات جنم لیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اس قدر بھرپور ابلاغی مہم اور وافر سرکاری وسائل کے

© rasaileJarafd.com

باوجود دو صدیوں کے لگ بھگ سے مدارس کا یہ موجودہ نظام قائم ودائم چلا آرہا ہے اور وطن کے نونہالوں کو اسلام سے روشناس کراتا آرہا ہے تو اس کے پیچھے عظیم لوگوں کی قابل قدر خدمات ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو زمانے کا ساتھ دینے کی بجائے ہوا کے مخالف سمت میں اس شان سے چلتے ہیں کہ ان کے قدم پل بھر کو ڈگمگاتے نہیں۔ ہواؤں کو بدل دینے کا ایسا قوی عزم ہو تب ہی ایسے زرّیں کارنامے رقم کئے جاسکتے ہیں۔ ان مدارس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے شاندار ماضی کا تعلق ہم سے منقطع نہیں ہونے دیا اور اس سنہرے دور کو واپس لوٹانے کی کڑی بھی یہی دینی مدارس ہیں جو اگر ختم ہوجائیں تو درمیان سے وہ سلسلہ منقطع ہوجائے جو ملت کے احیا اور شاندار ماضی کی طرف لوٹنے کا راستہ ہے۔

بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ دینی مدارس کی تاریخ کوئی زیادہ پرانی نہیں۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ مدارس ہی مسلمانوں کا اصل نظامِ تعلیم ہیں۔ انہی مدارس سے مسلمانوں نے صدیوں تحصیل علم کرکے اُس علم وفن کی بنا ڈالی جس پر مزید ترقی کرکے آج یورپ سائنس وٹیکنالوجی کے عروج پر پہنچا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی عظیم علمی ہستیاں اسی نظامِ تعلیم کی پیداوار ہیں۔ برصغیر میں انگریز کے آنے سے قبل یا دیگر اسلامی ممالک میں استعمار کے تسلط سے قبل یہی مدارس وہاں کا تعلیمی حوالہ اور واحد نظامِ تعلیم تھے، لیکن جب اُنہیں سرکاری سرپرستی سے محروم کرکے، ان کے وسائل ضبط کرکے، ان کے وابستگان اور فیض یافتگاں پر سرکاری ہتھکنڈوں سے دنیا تنگ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں، تو اُس دور میں مسلمان عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت ان اداروں کو اپنے دینی اقدار کے تحفظ اور دینی تعلیم وتربیت کے فروغ کے لئے خونِ جگر سے زندہ رکھا۔ اس سے قبل یہ اسلامی حکومت کی سرپرستی میں چلتے تھے اور معاشرے کے تمام طبقات کے لئے ماہرین فراہم کرتے تھے، اب یہ نجی وسائل کے بل بوتے پر آگے بڑھنے لگے اور صرف دینی تعلیم اور دینی روایات کے احیا کے لئے وقف ہوگئے۔ چنانچہ اپنی مدد آپ کے تحت چلنے والے یہ ادارے جو اَب صرف دینی علوم کے فروغ کے لئے مختص ہیں، اپنی حالیہ نوعیت کے اعتبار سے کوئی زیادہ قدیم نہیں، البتہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ دینی مدارس مسلمانوں کے اُنہی مدارس کے وارث ہیں جو صدیوں سے ان کے ہاں علم وتعلّم کی ضمانت رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

برطانوی سامراج نے ان مدارس کو ختم کرنے کی بہت کوشش کی اور اس حد تک انہیں پیچھے دھکیلا کہ انہیں ان کے قابل ذکر کردار کی اُمید نہ رہی لیکن آج ان مدارس سے وابستہ لوگوں نے اپنی خدمات کے بل بوتے پر یہ ثابت کردکھایا کہ اب بھی اسلام کے سب سے بڑے قلعے یہی ہیں اور دورِ حاضر کی سب سے بڑی قوت انہی سے خائف ہے۔ ہماری رائے میں موجودہ حالات میں مدارس کو ایک بار پھر وہی چیلنج درپیش ہیں جو برطانوی سامراج کے دور میں پیش آئے تھے۔ مدارس کو اپنی بقا کی جنگ دوبارہ لڑنا ہوگی، کیونکہ اس دور کا کفران کی کارکردگی پر بری طرح خندہ زن ہے اور اُنہیں نیست ونابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ گذشتہ سال مارچ میں عراق کے دورے پر آئے ہوئے امریکی عہدیدار نے کہا:

''پاکستان کے دینی مدرسے انتہاپسندی کو فروغ دینے کا بڑا ذریعہ ہیں''

امریکہ کو عراق سے نہیں اُن مدرسوں سے زیادہ خطرہ ہے جہاں ۷ لاکھ طلبہ زیر تعلیم ہیں!

''امریکہ کے سنٹر فار سٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل افیرز کے ڈائریکٹر انورڈی برگ نے ایشین ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے پاکستان کے دینی مدرسوں کے بارے میں کہا کہ امریکہ نے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں کوتاہ نظری پر مبنی جو پالیسیاں تشکیل دی، ان کے نتیجے میں پاکستان میں دینی مدرسوں کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس وقت پاکستان کے ۱۰ ہزار مدارس میں ۷ لاکھ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور سعودی عرب اپنے شہریوں کے ذریعے ان کو ۳۰ کروڑ ڈالر کی سالانہ امداد دے رہا ہے۔'' (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۰/ مارچ ۲۰۰۴ء)

امریکی نائب وزیر دفاع اپنی تقریر میں کہتے ہیں کہ

''اسلامی دینی مدارس لاکھوں مسلم بچوں کو انتہاپسندانہ دینی تعلیم پر اُبھارتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے بجٹ کی ترسیل پر قدغنیں عائد کی جائیں، اس سے بھی بہتر ذریعہ یہ ہے کہ مقامی طور پر ان مدارس کے مخالف افراد، رجحانات اور اداروں کو تقویت اور مدد پہنچائی جائے تاکہ وہ انتہاپسندی کے سرچشموں کا مقابلہ کرسکیں۔''

('اسلامی دینی تعلیم پر امریکی یلغار' مجلّہ فقہ اسلامی، فروری ۲۰۰۵ء، ص۵۲)

امریکی کانگریس نے مدارس کو مالی امداد کا سلسلہ روکنے کے لئے کانگریس ارکان پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی ہے جنہوں نے اس سلسلے میں مختلف اقدامات کیے ہیں۔ ان اقدامات میں سے یہ ہے کہ سعودی عرب پر دینی مدارس سے تعاون کرنے والے اہم اداروں کو

© rasaileJaraid.com

بند کرنے کے لئے دباؤ ڈالا گیا، یہ ادارے سعودی عوام سے صدقات جمع کر کے دنیا بھر میں خرچ کرتے تھے۔لیکن گذشتہ دو تین سالوں میں ان کی سرگرمیوں کو روک دیا گیا ہے۔ ایسے قابل ذکر اداروں میں حرمین فاؤنڈیشن اور ادارۃ المساجد والمشاریع الخیریہ، ریاض کا نام لیا جاسکتا ہے۔

یمن میں دینی تعلیمی اداروں کو بند کروانے کے لئے اس قدر دباؤ ڈالا کہ حکومت کو ہار ماننا پڑی چنانچہ یمن کے صدر علی عبداللہ صالح نے واضح الفاظ میں اس کا اعتراف بھی کیا کہ اگر ہم دینی معاہد کو قبضہ میں نہ لیتے تو ہمارا ملک بھی عراق اور افغانستان جیسے انجام سے دوچار ہوتا۔

ایسے ہی امریکہ نے عالمی امداد کے اداروں (ورلڈ بنک، ورلڈ مانیٹرنگ فنڈ اور یونیسکو وغیرہ) کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ انہی اسلامی ممالک کو امداد فراہم کرے جو اپنے ہاں دینی تعلیم کے اداروں کو بند کریں یا کم ازکم ان کے نصاب میں اصلاح پر دباؤ ڈالیں۔

اس سلسلے میں دباؤ کے علاوہ ترغیب کا طریقہ کار بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ امریکی انتظامیہ نے عرب ممالک کو ۱۵۰ ملین ڈالر کی فوری امداد کی پیش کش کی ہے جو واشنگٹن کے نقطہ نظر سے دینی تعلیم کی اصلاح ،خواتین کی تعلیم اور جمہوریت کے فروغ کے مطالبات کی پابندی پر ۳۰۰ ملین ڈالر تک بڑھائی جاسکتی ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو اخبارات میں ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ پاکستانی حکومت کو ان مدارس کی اصلاح کے لئے ایک ملین ڈالر کی امداد دی گئی ہے جبکہ کانگریس میں ہیلری کلنٹن نے یہ بھی کہا ہے کہ اس قدر بڑے مقصد کے لئے پاکستانی حکومت کو یہ مدد قطعاً ناکافی ہے۔ جنرل مشرف یہ کام کرنا تو چاہتے ہیں ،لیکن اس کے لئے اُنہیں کم ازکم ۵ ملین ڈالر کی مدد دینا ضروری ہوگا۔

امریکی حکومت اس سلسلے میں کافی عرصہ سے سرگرم ہے۔امریکی حکام نے آغاز میں جب یہ مسئلہ جنرل مشرف کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے جناب محمود احمد غازی کو مدارس کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی، بعدازاں یہی ذمہ داری 'قومی تعمیر نو بیورو' کے چیئرمین جنرل تنویرنقوی کے سپرد کی گئی، امریکی سینیٹروں نے اپنی ملاقاتوں میں پاکستان حکومت پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالے رکھا۔حتیٰ کہ سابق وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال کو تو اس امر کا اعتراف کرتے ہی بنی کہ

''ہم دینی مدارس کو سرے سے ختم کرنے پر قادر نہیں ہیں البتہ سرکاری سطح پر دار العلوم کے قیام کے ذریعے ان کے اثر ورسوخ کو کم کرسکتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم ان مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی، فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم حاصل کرنے پر بھی زور ڈال رہے ہیں تاکہ یہ طلبہ قومی دھارے میں آسکیں۔'' (ماہنامہ 'ساحل' کراچی، فروری، ص ۸۸)

جہاں تک پاکستانی حکومت کا تعلق ہے تو وہ مدارس کے بارے میں کوئی اہم پیش رفت کرنے میں تاحال کامیاب نہیں ہوسکی۔ سب سے پہلے مدارس کو زکوة فنڈ سے ملنے والی معمولی امداد کو کلی طور پر بند کیا گیا پھر مدارس کو بھرپور امداد کے نام پر حکومت نے زیر بار کرنا چاہا تو مدارس نے ایسی امداد کو قبول نہ کیا، بعدازاں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا لیکن اس سے بھی خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے۔ کچھ عرصہ سے مدارس اور مساجد کو رجسٹریشن کے بغیر قائم نہ کرنے کی پابندی بھی لگائی جاچکی ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ حکومت مزید اقدامات کے بجائے بیان بازی اور ابلاغی قوت کے ذریعے فضا کو اس حد تک سازگار بنانے میں مصروف ہے کہ جب وہ مدارس پر ہاتھ ڈالے تو قوی مزاحمت کے امکانات باقی نہ رہیں۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مدارس سے وابستہ لوگ اپنی قوت کا جائزہ لیں، اور مسلمان عوام کو بھی اپنی کارکردگی سے متعارف کرائیں تاکہ جن عوام کی مدد سے اُنہوں نے برطانوی سامراج کا سامنا کیا، اُن کی مدد سے آج بھی وہ سرخرو ہوسکیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مدارس کی یہ خدمات اگر علماء کرام کے بے مثال عزم وہمت کا نتیجہ ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس کا تعاون بھی شامل رہا ہے۔ اگر برصغیر کے مسلمان ان اداروں کے تحفظ کے لئے حساس نہ ہوتے تو آج علماء کرام ان قابل قدر خدمات کے کبھی امین نہ ہوتے۔ ان اداروں کی بنیادوں میں علماء کے انسانی وسائل (Human resources) اور مسلمان عوام کے مالی وسائل (Financial support) شامل ہیں!!

اس وقت دینی مدارس مغربی دنیا کا سب سے مرغوب موضوع ہیں۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے چھپنے والی کتب ورپورٹس تو ایک طرف رہیں، مغربی یونیورسٹیوں میں پاکستان کے دینی مدارس کے بارے میں غیر معمولی تحقیقی کام ہورہا ہے۔ خود راقم الحروف کا گذشتہ چند ماہ میں مدارس پر یورپ کی دو بڑی یونیورسٹیوں (آکسفورڈ اور کیلی فورنیا یونیورسٹی) کے طلبہ علیحدہ

© rasailojaraid.com

علیحدہ انٹرویو کر چکے ہیں، مدارس کے موضوع پر کی جانے والی اپنی تحقیق کے سلسلے میں انہوں نے کئی سوالات کئے ۔آغاز میں مدارس کے بارے میں ان کا موقف منفی ہوتا ہے،لیکن آخر کار دونوں ٹیموں نے ہمارے نقطہ نظر سے اتفاق کیا اور مدارس کے مثبت کردار کو سراہا۔

مدارس کے بارے میں مختلف نوعیت کے اعتراضات کئے جاتے ہیں اور ان کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم ہے لیکن ان کی اس مثبت کارکردگی سے پاکستانی عوام کو کبھی متعارف نہیں کرایا جاتا، ذیل میں ان کی خدمات کا ایک مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

دینی مدارس کی خصوصیات

دینی مدارس یوں تو پرائیویٹ سطح پر کام کرنے والے چند ایک ادارے ہیں، جن میں عموماً معمولی استعداد کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کرا دیا جاتا ہے۔بعض لوگ تو اُنہیں مساکین اور یتیم بچوں کے مراکز سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ۔ غیروں سے زیادہ اپنوں کو ان پر اعتراضات ہیں۔کوئی انہیں فرقہ واریت کا طعنہ دیتا ہے تو کوئی تنگ نظری کا مجرم ٹھہراتا ہے۔ کہیں قرآن کو نظر انداز کرنے کا الزام دیا جاتا ہے تو کہیں انتہا پسندی یا دہشت گردی کی پھبتی کسی جاتی ہے،اس کے باوجود دینی مدارس اپنے کام میں مگن ہیں، اور اپنے اس کام کی بدولت پاکستانی معاشرے میں اپنا وزن رکھتے ہیں۔

کوئی تعلیمی ادارہ یا نظام تعلیم بذاتِ خود قومی تعمیر کے کسی منصوبے میں شریک نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسے افرادِ کار تیار کرتا ہے یا اپنے ہاں زیر تعلیم بچوں کی ایسی ذہن سازی اور تربیت کرتا ہے کہ اس علم کی تکمیل کے بعد وہ طلبہ معاشرے میں مخصوص کردار ادا کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ اس لحاظ سے دینی مدارس اسلامی دنیا میں اسلام کے نام پر ہونے والے تمام کاموں کی ایک نرسری کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسلامی منصوبوں کو یہاں سے تازہ خون فراہم ہوتا ہے جن کے ذریعے وہ اپنے معاشرے میں نفوذ کرسکتے ہیں۔ جہاں تک مدارس سے فیض یافتہ علما پر عوام کے اعتماد کا تعلق ہے تو درج ذیل حقائق ہمارے پیش نظر رہنے چاہئیں:

① پاکستان میں روزمرہ پیش آنے والے تمام مسائل میں شریعت کی رہنمائی کے لئے عوام الناس دینی مدارس کے فیض یافتگان کی طرف رخ کرتے ہیں۔کسی بڑے سے بڑے دانشور یا اسلامیات کے ماہر کو پاکستان کا معاشرہ یہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں کہ وہ ان کے مسائل

میں اُنہیں فتویٰ دے سکے۔ حتیٰ کہ جو لوگ دینی مدارس سے فیض یافتہ نہیں ہیں وہ خود بھی فتویٰ دینے کا اپنے آپ کو اہل نہیں پاتے اور لوگوں کو مدارس کے علما کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے پاکستان کے عوام کسی پیش آمدہ مسئلہ پر شرعی نقطہ نظر جاننے کے لئے صرف مدارس کے علما پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ طلاق و رضاعت کا کوئی مسئلہ یا وراثت کی کوئی تقسیم، ایسے ہی عبادات ومعاملات میں کوئی سوال پیش آئے تو اس کا حل صرف مدارس کے علما سے ہی کروایا جاتا ہے۔

② ہر معاشرہ میں کچھ رسوم ورواج پائی جاتی ہیں۔ پاکستان کے اسلامی معاشرے میں عوام کی ان معاشرتی ضروریات کی تکمیل بھی صرف علماء دین ہی کرتے ہیں۔ ان معاشرتی ضروریات میں نکاح، جنازہ، ولادت جیسی کئی رسوم شامل ہیں۔ ان میں سے ایسے رسوم ورواج بھی ہیں جو ہندوانہ تہذیب کے زیر اثر ہمارے ہاں رواج پا گئے ہیں، لیکن ان رسوم کے غلط یا درست ہونے سے قطع نظر ان کے لئے علماء مدارس کی ہی خدمات لی جاتی ہیں۔

③ مسجد کسی بھی معاشرتی یونٹ کی ایک اکائی ہے اور اسلام میں مقامِ عبادت ہونے کی بجائے مسجد مسلمانوں کی تمام اجتماعی ضروریات کے لئے ایک مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ دورِ نبویؐ میں مسجد عبادات کے علاوہ عدل وانصاف، ضیافت ومہمان نوازی، مرکزِ تعلیم، مرکز حکومت اور مشاورت وکمیونٹی سنٹر کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ گو کہ بعد میں بادشاہوں نے مسجد کے تقدس سے باہر نکل کر اپنے شاہی دربار سجا لیے کیونکہ ان کے دنیادارانہ اُمور کی مسجد متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ اس کے باوجود مسجد کا مرکزی تشخص کافی حد تک قائم ہے۔

پاکستان کی مساجد یعنی اسلامی کمیونٹی سنٹرز ۱۰۰ فیصد مدارس کے فیض یافتہ علما کے پاس ہیں۔ ان مدارس میں خطباتِ جمعہ کے ذریعے مدارس کے علما کو اپنے خیالات عوام تک پہنچانے کے وسیع مواقع میسر آتے ہیں۔ ان مساجد میں امامت کے فرائض بھی یہی مدارس کے فاضلین انجام دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان میں خطبہ جمعہ ۹۹ فیصد مدارس کے علما ہی دیتے ہیں۔

ان مساجد میں محلے کے بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانا ہو یا نوجوانوں کو اسلام سے آگاہ کرنے کا کوئی جزوقتی کورس، یہ خدمات بھی انہی علما کے حصہ میں آتی ہیں۔ اگر مسجد کے امام وخطیب باصلاحیت اور متقی شخصیت ہوں تو محلے کے رہائشی اپنے عام امور میں اُن سے مشورہ

www.KitaboSunnat.com

اور فیصلہ بھی لیتے ہیں۔ اور ان کو اپنے محلّہ میں قدر واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ اپنے مسائل کے لئے اُن سے رجوع کرتے ہیں۔

④ پاکستان میں دینی لٹریچر شائع کرنے والے کئی مکتبہ جات ہیں۔ ان دینی مکتبات کو لکھنے والے اہل علم مدارس کے اساتذہ اور ان میں کام کرنے والے رجالِ کار مدارس سے ہی دستیاب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دینی مدارس کے یہ فاضلین سینکڑوں کی تعداد میں دینی جرائد شائع کرتے ہیں۔ مدارس کے علاوہ دیگر ذرائع سے شائع ہونے والے دینی جرائد کی تعداد ۸،۱۰ فیصد سے زیادہ نہیں۔

⑤ مدارس کے یہ فیض یافتگاں اپنی دینی دعوت کو پھیلانے کے لئے حلقوں اور جلسوں کا بکثرت اہتمام کرتے ہیں۔ یہ جلسے اور حلقے کچھ عرصے بعد تنظیموں اور اداروں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ مدارس کے ان فیض یافتگان کی تنظیمیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور ہر تنظیم اشاعتی اور تحریکی لٹریچر شائع کرتی ہے اور عوامُ الناس میں اپنا اپنا حلقہ رکھتی ہے۔

ان تنظیموں کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو صرف علما یا مدارس کے فیض یافتگاں کو منظّم کرنے کے لئے ہیں، مثلاً جمعیت علماءِ اسلام، جمعیت علماءِ پاکستان وغیرہ یا اتحاد العلماء کی دیگر مجالس۔ لیکن اکثر تنظیمیں جنہیں مدارس کے علما ہی چلاتے ہیں، عوام الناس کو دین سے قریب رکھنے کا فرض انجام دیتی ہیں۔ اس لحاظ سے ملک میں جاری اکثر وبیشتر دینی تنظیموں کے پیچھے مدارس کے علما ہی سرگرم ہیں۔

تہذیبِ جدید کے پروردہ اور ذرائع ابلاغ سے متاثرہ بڑے شہروں میں بسنے والے چند اہم حضرات کو چھوڑ کر پاکستان کے عوام الناس میں ان تنظیموں کی مقبولیت کافی زیادہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وطن عزیز میں کئی تنظیمیں ایسی ہیں جن کے اجتماعات لاکھوں سے متجاوز ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اکتوبر، نومبر کا مہینہ دینی تنظیموں کے اجتماعات کا ہوتا ہے۔ ان دنوں یہ تنظیمیں ایسے بڑے اجتماعات کرتی ہیں، جن کی بنا پر ملک میں ایک خاص اسلامی کلچر پیدا ہوتا ہے اور دینداری کی روایات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ایسے دینی اجتماعات کی مثالیں دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں ناپید ہیں۔ بڑے اجتماعات کرنے والی ان جماعتوں میں تبلیغی جماعت، جماعت ِاسلامی، جماعۃ الدعوۃ ، دعوتِ اسلامی، تحریک منہاج القرآن اور اسلامی

© rasailojarald.com

جمعیت طلبہ کی تنظیمیں کافی شہرت رکھتی ہیں۔ان دنوں کوئی شخص ان دینی تنظیموں کے اجتماعات کے اعداد وشمار پر نظر رکھے تو اسے ان کی عوام میں گہری جڑوں کا بخوبی ادراک ہوسکتا ہے۔

پاکستان کی یہ دینی تنظیمیں نہ صرف ملک بھر میں اپنا اثر ورسوخ رکھتی ہیں بلکہ دنیا بھر میں ان کے یونٹ کام کررہے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ پاکستان سے پروان چڑھنے والی یہ جماعتیں دنیا بھر میں اپنی دعوت پیش کرتی ہیں، ایسی جماعتوں میں پاکستان کی تبلیغی جماعت، جماعت ِاسلامی اور جماعۃ الدعوۃ کی مثال دی جاسکتی ہے جن کی دعوت پاکستان کے علاوہ بیرونِ پاکستان بھی بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔ ایسے ہی تحریکِ منہاج القرآن اور تنظیم اسلامی اپنے انتظامی یونٹس کی بنا پر عالمی کردار رکھتی ہیں۔

مذکورہ بالا تنظیمیں جزوی استثناء کے ساتھ مدارس کے علما کے زیرنگرانی چلتی ہیں، اگر کسی تنظیم کو مدارس کے فضلا نے منظّم نہیں بھی کیا تو اس تنظیم میں حرکت اور روح پیدا کرنے کے لئے بہرحال انہی فضلاے مدارس کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

⑥ دینی مدارس کے علماء پر عوام کے اعتماد کا یہ عالم ہے کہ حکومت کئی سرکاری کمیٹیوں میں ان کے بغیر فیصلے کرے تو اس کو مطلوبہ وقعت حاصل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ زکوۃ وعشر کمیٹی ہو یا رؤیت ِہلال کمیٹی، ان میں دینی مدارس کے علما کو نمائندگی دینے پر حکومت مجبور رہتی ہے۔ شریعت ِاسلامیہ کی بنا پر ہونے والے فیصلوں میں عدالتیں ایسے فاضل علما کی خدمات لینے کی پابند ہیں جو دینی علوم میں درک رکھتے ہیں۔ حکومت کی خواہش اور کوشش سے قطع نظر اس اہلیت کی تکمیل بھی علماء مدارس ہی کرتے ہیں۔

⑦ پاکستان کے ان دینی مدارس میں کئی علوم ایسے ہیں، جو صرف یہاں ہی پڑھائے جاتے ہیں، اور اگر مدارس یہ خدمات ختم کردیں تو ملک میں اِن علوم وفنون کا وجود ہی ناپید ہوجائے۔ ایسے علوم میں حفظِ قرآن کے جملہ مدارس کے علاوہ تجوید وقراءت کا علم شامل ہے۔

برصغیر جو اسلامی دنیا میں حفظ قرآن کے حوالے سے امتیازی شان رکھتا ہے، اور یہاں حافظ طلبہ کی تعداد کسی بھی اسلامی ملک کے حفاظ سے کہیں زیادہ ہے، یہ امتیاز ہمیں صرف دینی مدارس کی خدمات کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ غالباً سرکاری سطح پر حفظ قرآن کا ایک ادارہ بھی کام نہیں کررہا، پرائیویٹ سطح پر اس قدر وسیع نیٹ ورک واقعتاً بعض مخلص لوگوں کی ان تھک

کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

ایسے ہی ملک بھر میں حسن قراءت کے مقابلوں میں جو قاری شریک ہوتے ہیں، وہ حسن قراءت کے لئے علم تجوید مدارس سے ہی پڑھتے ہیں۔ ایسے علوم کی فہرست بہت طویل ہے جن کے لئے صرف مدارس ہی مصروفِ عمل ہیں۔ اُن میں علم وراثت، علم قراءات، علم رسم القرآن وغیرہ کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ علوم سرکاری سطح پر کہیں نہیں پڑھائے جاتے۔ جہاں تک باقی علوم مثلاً تفسیر قرآن، مطالعہ احادیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ واصول فقہ کا تعلق ہے، یا آلی علوم مثلاً نحو وصرف یا منطق وغیرہ تو ان کی تعلیم سرکاری اداروں میں صرف ابتدائی درجے کی ہوتی ہے۔ ان خالصتاً اسلامی علوم میں بصیرت، درک اور مہارت دینی مدارس کے باہر گویا ناپید ہے۔ مدارس کے باہر جن لوگوں نے ان علوم کے بارے میں نمایاں کام کیا ہے، ان کا زیادہ تر کام ان علوم کے بارے میں منفی یا معترضانہ نوعیت کا رہا ہے، الا ماشاء اللہ۔

بہت سے سینئر افسران کو ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد قرآن کی تفسیر یا حدیث کا شوق جب چراتا ہے تو وہ اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑنے کے علاوہ کوئی قابل قدر کام نہیں کرپاتے۔ کیونکہ دیگر علوم کی طرح اسلامی علوم پر بھی کام کرنے کے لئے باقاعدہ تعلیم اور تربیت وتجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہمارے اس دعوے کا یہ مطلب خدانخواستہ نہیں ہے کہ مدارس کے باہر اسلام کی خدمت کا وجود نہیں ہے، اسلام کی خدمت اور چیز ہے اور علوم اسلامیہ میں درک وبصیرت اور مفہوم رکھتی ہے۔ الحمدللہ پاکستان میں بعض ایسی جماعتیں اور نمایاں شخصیات بھی پائی جاتی ہیں، جن کا قابل قدر کام دینی مدارس کے لئے بھی درخشندہ مثال ہے۔ اللہ ان سے دین کی مزید خدمت لے۔ آمین!

دینی مدارس کا یہی وہ کردار ہے جو ملک میں اسلامی اساس کو مضبوط کرتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کیا مذکورہ بالا کردار میں کسی منفی نوعیت کی سرگرمی پائی جاتی ہے یا دین کے فروغ کے لیے اصلاح ودعوت کا یہ عمل اہل دین کا امتیاز اور فرض ہے۔ اس کے باوجود مدارس کو اِسی کردار پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

کسی کام کی افادیت جانچنے کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک پہلو تو یہ کہ دیکھا جائے کہ اس کام کے ذریعے کون سے مقاصد پورے ہوئے ہیں، کون سے خلا ایسے ہیں جو پر ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

اگر یہ کام نہ ہوتا تو پھر کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس پہلو میں جو کچھ حاصل ہوا ہے، ان پر توجہ کی جاتی ہے۔ کسی کام کی افادیت کو جانچنے کا یہ ایک صحت مندانہ طرزِ عمل ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ اس کام کے کون سے رُخ باقی رہ گئے ہیں۔ کن اُمور میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے اور کون سے گوشے ایسے ہیں جن کی طرف توجہ نہیں ہوسکی۔ لازمی سی بات ہے کہ ہر کام میں بہتری اور اصلاح کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے اور کمال کی کوئی حد نہیں۔ یہ انسان کے تخیل کی پرواز ہی ہے کہ وہ بلند مقاصد تک پلک جھپکتے میں پہنچ جاتا ہے لیکن ان مقاصد کو عملی پیکر عطا کرنے کیلئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

سابقہ اوراق میں دینی مدارس کے جس کردار کا جائزہ ہم نے لیا ہے، وہ ان کا مثبت پہلو ہے جبکہ ذرائع ابلاغ میں ہمیشہ ان کو منفی پہلو سے پیش کیا اور اسی کے مطابق جانچا جاتا ہے۔ یہی وجہ کہ ہمیشہ ان کے بارے میں ان سَلبیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو وہ بوجوہ حاصل نہیں کرپائے لیکن ان پہلوؤں کو کبھی شمار نہیں کیا جاتا جو ان کی وجہ سے ہمارے معاشرے کو حاصل ہیں۔ دینی مدارس انسانی اور مالی وسائل کی جس قلت میں، اپنے زورِ بازو پر انحصار کرکے اپنے وجود کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، ایسے میں اس اعتبار سے ان کی جانچ کرنا کہ انہوں نے کونسے گوشے باقی چھوڑے ہیں، ایک زیادتی ہے۔ مدارس کو چھوڑیے، اگر پاکستان میں باقی کاموں کے بارے میں بھی ایسا جائزہ لیا جائے جو ملکی وسائل کے ایک بڑے حصے کو صرف کرتے ہیں تو اس نوعیت کے اعتراض کا وہ بھی سامنا نہیں کرپائیں گے۔ اس سلسلے میں سرکاری تعلیمی اداروں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اگر ان تعلیمی اداروں کی کارکردگی کا جائزہ اس اعتبار سے لیا جائے جو دنیا کے دیگر نظام ہائے تعلیم اپنی قوم کو دے رہے ہیں، تو اس سلسلے میں شرمساری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دیگر ممالک کے تعلیمی نظام اپنی قوم کو نامور سائنسدان، مخلص سیاست دان، ذمہ دار شہری اور مختلف میدانوں کے ماہرین کی ایسی بڑی کھیپ دے رہے ہیں، جو ان کے ممالک میں ترقی کی مضبوط بنیاد قائم کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا سرکاری نظامِ تعلیم تو معیاری تعلیم دینے سے ہی قاصر ہے، اس تعلیمی خلا کو پورا کرنے کے لئے بے شمار پرائیویٹ تعلیمی ادارے میدان میں اُترے ہوئے ہیں، اور آج تعلیمی امتیاز سرکاری اداروں کے بجائے بعض پرائیویٹ اداروں

© rasailojaraid.com

کے پاس ہے۔ آج پاکستان قوموں کی صف میں بہت پیچھے کھڑا ہے، معاشی سطح پر غیروں کا محتاج ہے، سیاسی نظم اور سفارتی ڈپلومیسی میں دیگر اقوام سے بہت پیچھے ہے تو اس کے ذمہ دار مدارس کی بجائے یہی جدید تعلیم کے اداروں کے فاضلین ہیں۔

ہم قومی سطح پر جس انحطاط اور کمزوری کا شکار ہیں، یہ دینی مدارس بھی معاشرے کے انہی افراد کے قائم کیے ہوئے ہیں۔ ان سے غیر معمولی کردار کی توقع کرنا اور اپنے مجموعی قومی رجحانات یا کردار کو نظر انداز کر دینا کہاں کا انصاف ہے!!

مدارس کا کردار اسی حد تک ہے کہ اُنہوں نے ہماری روایات کو تحفظ عطا کر رکھا ہے، اور ہماری دینی ضروریات میں انہوں نے تعطل نہیں آنے دیا،اس میدان میں ہم مدارس کے احسان مند ہیں۔ اگر حکومتی، تعلیمی ،ابلاغی ،عوامی، انسانی اور مالی سطح پر ان کا جائز مقام اور وسائل اُنہیں دیے جائیں تو یہ مدارس روایات کے تحفظ سے آگے بڑھ کر نئے زمانے کے چیلنج کا سامنا بھی کر سکتے ہیں۔ فی الوقت ان کے اِسی کردار کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے، یہی بات علامہ اقبالؒ نے مدارس پر اعتراض کرنے والوں سے کہی تھی:

> ''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو، کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا ، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اَندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمرا کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دِلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔''

اصل اعتراض

دینی مدارس کے خلاف جاری اس مہم کے پس پردہ مغرب کا دراصل یہ تصور ہے کہ اس دور کا انسان بہت ترقی کر چکا ہے ، اور اس ترقی کے بعد انسان کا ماضی کی طرف رجوع کرنا قدامت پسندی اور بنیاد پرستی ہے۔ ایسے ہی اس دور میں مغرب نے علوم کا جو انداز واستدلال اور حوالہ متعارف کرایا ہے، اُسے ہی اس دور کا واحد معیار ہونا چاہیئے۔ اور مغربی ممالک کی

© rasailojaraid.com

پیش کردہ تہذیب وتمدن کے مقابل کوئی دوسرا تہذیبی تصور متعارف یا زندہ نہیں رہنا چاہئے۔

جبکہ یہ دینی مدارس ہی ہیں جو مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی سے جوڑے رکھنے کا مضبوط وسیلہ ہیں۔مساجد کے خطبا جو مدارس کے ہی فیض یافتہ ہوتے ہیں، پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سامعین کے ذہنی معیار کے پیش نظر گفتگو نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود سامعین کو اپنے شاندار ماضی پر مبنی قصے سنا کر جس طرح اسلام سے منسلک کئے رکھتے ہیں، اُس سے ان کا اعتقاد متزلزل نہیں ہوتا۔ آج پاکستان کا ہر مخلص مسلمان خلافتِ راشدہ کا دور لوٹنے کی تمنا دل میں لئے پھرتا ہے، اور اس کو تصور میں 'دنیاوی جنت' سے تعبیر کرتا ہے، جب صلوٰۃ وزکوٰۃ کا نظام اس طرح قائم ودائم ہو کہ زکوٰۃ لینے والا میسر نہ آئے تو اس کے پس پردہ جمعہ کے خطیب سے سنے ہوئے وہ واقعات ہیں جو وہ اپنی زندگی میں تکرار سے سنتے رہتے ہیں۔اس سے کم از کم اپنے شاندار ماضی سے ان کا تعلق جڑا رہتا ہے اور جمعہ کا خطیب اسلام سے ان کا یہ تعلق ٹوٹنے نہیں دیتا۔اس دورِ زوال میں خطبا کی یہ خدمت بھی بڑی قابل قدر ہے!!

دینی مدارس سے فیض یافتہ ان علما کی مساعی کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی ثقافت ابھی تک کسی درجے میں موجود ہے۔جن ممالک میں یہ مدارس موجود نہیں وہاں کے مسلمان پوری طرح مغربی تہذیب میں رنگے ہوئے ہیں۔ایسے ممالک میں مصر، شام، اُردن، فلسطین اور مراکش وغیرہ کی مثال دی جاسکتی ہے۔جو لوگ دنیا کا سفر کرتے ہیں، ان سے پاکستان اور دنیا کے دیگر اسلامی ممالک کا ثقافتی فرق ڈھکا چھپا نہیں۔

آج بھی ہم ذرا غور سے دیکھیں تو اسلام کی لازم کردہ احکامات کی پاسداری سب سے زیادہ دینی مدارس سے وابستہ لوگوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ داڑھی اور برقعہ، صرف مولوی کی شناخت نہیں، بلکہ نبی کریمؐ کے فرامین کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔شلوار کا ٹخنوں سے بلند ہونا یا غیر مسلموں جیسی وضع قطع اختیار نہ کرنا اور ان کی مشابہت والا لباس نہ پہننا کوئی اختیاری امر نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، لیکن ان اُمور کی بھرپور پابندی مدارس سے وابستہ لوگوں میں نظر آتی ہے۔جس طرح ہم لوگ اسلامی تقویم (ہجری کیلنڈر) کو بالکل نظر انداز کرچکے ہیں، ایسے ہی اسلامی تعلیم کی ضرورت بھی ہم لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوچکی ہے، لیکن دینی مدارس سے فیض یافتہ لوگ جنہیں ہم 'ملا' یا 'مولوی' کے نام سے گویا ثقافتی گالی دیتے ہیں،

© rasailojaraid.com

ان اسلامی احکامات پر زمانے بھر کے اعتراضات کو نظر انداز کرتے یکسوئی سے آج تک عمل پیرا ہیں۔ اور ہم نے گویا یہ فرض کر رکھا ہے کہ یہ سب صرف مولوی کی شناخت ہے جبکہ ایسا ہرگز نہیں، مذکورہ بالا تمام احکامات مستحب ومباح کی بجائے ہر مسلمان پر وجوب کے درجے میں لازم ہوتے ہیں۔ یہ تمام اوصاف انسان کی شخصی مضبوطی اور فکری استحکام پر دلالت کرتے ہیں۔اور قوموں کی برادری میں خودی کے ساتھ جینے کے لئے اپنی ثقافت کو اپنانے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مدارس کے یہ لوگ باہمی میل جول سے اور اپنے خطبات کے ذریعے اسلامی ثقافت کو مسلمانوں میں زندہ وپائندہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالبان کے افغانستان پر جب امریکہ نے حملہ کیا تو اس کا جواز یہ تھا کہ طالبان کی یہ حکومت اگر کامیاب ہوجاتی ہے تو اس سے امریکی تہذیب (سویلائزیشن) کو خطرہ ہے۔مغرب اس دور میں جس طرزِ فکر اور تہذیب وتمدن کو پروان چڑھانا چاہتا ہے، یہ اس کے بالمقابل ایک اور تہذیب قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ گویا مغربی تہذیب کے متبادل ایک تہذیب کی دعوت ان مدارس سے پھوٹتی ہے۔

مدارس کی قوت کے پس پردہ عوامل

مدارس کی مذکورہ بالا اہمیت اور کارکردگی ان سے وابستہ حضرات کی محنتوں میں ہی پوشیدہ نہیں بلکہ اس کے پس پردہ متعدد ایسے عوامل ہیں، جن سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں:

❶ کیا وجہ ہے کہ مدارس کو نہ وہ مادّی وسائل حاصل ہیں اور نہ ہی سرکاری تعلیم کے دیگر اداروں جیسے انسانی وسائل۔ ایسے ہی مدارس میں پڑھنے والوں کی تعداد سکول وکالج میں پڑھنے والے بچوں کی کل تعداد کا دو، تین فیصد بھی نہیں۔ اس کے باوجود ان کا اثر ورسوخ اپنی تعداد کی نسبت سے کہیں زیادہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مدارس کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کا ایک فاضل اپنے اثر ورسوخ کے اعتبار سے دیگر تعلیمی اداروں کے فضلا پر برتری رکھتا ہے۔اگر لاہور کے کالجوں، یونیورسٹیوں سے ایک سال میں ۱۰ ہزار لوگ تحصیل علم کرکے نکلیں اور دوسری طرف لاہور کے دینی مدارس سے ۲۰۰ کے لگ بھگ طلبہ فارغ التحصیل ہوں تو مدارس کے ان طلبہ کے فرض کی نوعیت یہ ہے کہ انہیں عوام کو رہنمائی دینا ہوتی ہے اور عوام کو اُنہیں سننا پڑتا ہے، وہ اُستاد بنتے

© rasailojaraid.com

ہیں یا داعی اور خطیب۔ مدارس کے ان طلبہ کو منبر نبویؐ کا تقدس ملتا ہے، جس سے کالج یونیورسٹی کے طلبہ محروم رہتے ہیں۔ منبر نبویؐ کے اس تقدس کے ساتھ ساتھ اگر وہ معقول طرزِ استدلال بھی اپنالیں تو عوام ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ خطبہ ہائے جمعہ کے پلیٹ فارم کے ذریعے وہ لاکھوں لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے علماء کرام کا عوام الناس سے سب سے گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ جب سے نئے ذرائع ابلاغ : اخبار، ٹی وی اور کیبل متعارف ہوئے ہیں، ان کے ذریعے عوام کا رابطہ صحافیوں، اداکاروں سے اور فلم ڈراموں میں پیش کردہ خیالات سے گہرا ہوگیا ہے، اس سے قبل عوام الناس سے روزمرہ ابلاغ کا حق صرف علماء کرام کے پاس تھا۔ ان نئے ذرائع ابلاغ سے اس تعلق میں کافی کمی آئی ہے، اس کے باوجود مخلص اور متقی علما کا تعلق آج بھی عوام سے گہرا ہے۔

یہاں واضح رہے کہ مدارس کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ بے بنیاد ہے کہ پاکستان میں ۷ لاکھ سے زائد بچے ۱۰ ہزار مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔ دراصل بھرپور انداز کی مہم کو جواز دینے کے لئے ان کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے یا یہودی لابی کے زیراثر ذرائع ابلاغ یہ پروپیگنڈہ کر کے اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ ان مدارس میں ان تمام مدارس کی تعداد کو شامل کیا جاتا ہے جو ہر مسجد کے ساتھ کام کررہے ہیں اور ان میں ناظرہ قرآن پڑھنے والے بچے بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ جبکہ وہ دینی مدارس جو دین کی تعلیم دے رہے ہیں، کا اگر حقیقی جائزہ لیا جائے تو لاہور جیسے علمی شہر میں ان کی تعداد ۳۰،۴۰ سے ہرگز زیادہ نہ ہوگی۔ یہی بات ورلڈ بینک نے اپنی تازہ سٹڈی رپورٹ میں کہی۔ خبر کا متن ملاحظہ ہو:

> ''دینی مدارس کے خلاف مقامی اور مغربی ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈہ غلط ہے۔ ورلڈ بینک امریکی نائن الیون کمیشن کی رپورٹ درست نہیں کہ پاکستان میں لاکھوں خاندان بچوں کو دینی مدارس میں داخل کراتے ہیں۔
>
> ورلڈ بینک کی طرف سے تیار اور شائع کیے گئے ورکنگ پیپر کے مطابق مقامی اور مغربی ذرائع ابلاغ مدارس کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں۔ رپورٹ میں مغربی ذرائع ابلاغ کے اس پروپیگنڈے کو غلط قرار دیا گیا کہ پاکستانی مدارس میں طلبہ کے داخلے میں تیزی آئی ہے اور واشنگٹن پوسٹ کے اس دعوے کی تردید کی گئی کہ پاکستان میں تعلیم حاصل

کرنے والے تمام بچوں کا ۱۰ فیصد مدارس میں پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی برسلز میں قائم انٹرنیشنل کرائمز گروپ کے اس دعوے کو بھی غلط قرار دیا گیا کہ مدارس میں پڑھنے والے بچوں کی تعداد کل زیر تعلیم بچوں کا ۳۳ فیصد ہے۔اس رپورٹ کے مطابق پاکستان کے دینی مدارس میں نہ تو داخلے میں کوئی تیزی آئی ہے، نہ ہی مدارس کے طلبہ کی مجموعی تعداد اس قدر زیادہ ہے۔''

(ہفت روزہ 'غزوہ' لاہور: ۴ تا ۱۰/ مارچ ۲۰۰۵ء)

حکومتِ پاکستان کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں درسِ نظامی کے صرف ۱۴ ہزار دو سو دس مدارس کام کررہے ہیں اوران کی بڑی تعداد بھی سرائیکی بیلٹ اور صوبہ سرحد کے علاقوں میں ہے۔ایسے ہی ملک میں قائم ۱۱/لاکھ مساجد کے ساتھ ۹۷ ہزار چھ سو مدارس حفظ کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مدارس کے مکمل اعداد وشمار کے لئے ماہنامہ ساحل کراچی کے شمارہ فروری ۲۰۰۰ء کا صفحہ ۸۹ اور ۹۰ ملاحظہ کریں۔

عجب تماشا ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک پاکستان میں مدارس کی طرف سے دی جانے والی تعلیم کو وزارتِ تعلیم کسی قطار شمار میں ہی نہیں لاتی، نہ ہی سالانہ تعلیمی بجٹ میں ان کے لئے کوئی حصہ مختص کیا جاتا اوران کے بارے میں کوئی تعلیمی پالیسی بنائی جاتی ہے۔

ان مدارسِ دینیہ کو وزارتِ داخلہ ڈیل کرتی ہے جو دہشت گردی کے نقطہ نظر سے ان کی نگرانی کرتی ہے، دوسری طرف انگریزی تعلیم کے ایسے ادارے جو انگریز کی حاکمانہ وراثت کو اس ملک میں تحفظ فراہم کرتے ہیں، ان کو اربوں کی اپنی جائیدادوں کے باوجود حکومت باقاعدہ اہم گرانٹ دیتی ہے۔ ان اداروں میں ایچی سن کالج اور لارنس کالج، گھوڑا گلی جیسے ادارے شامل ہیں جن کا اس ملک میں واحد مقصدِ جواز یہاں انگریز کے فکری وارث پیدا کرنا ہے تاکہ یہاں وہ حکومت کی زمامِ کار سنبھال سکیں۔ ایسے اداروں سے فیض یافتہ لوگ بھی تعداد میں کم ہونے کے باوجود حکومت میں غیر معمولی اہمیت حاصل کرتے ہیں اور زیادہ تر حکمران یا اراکین اسمبلی ایسے تعلیمی اداروں کے ہی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے فضلا کو بھی حاصل ہونیوالا یہ ایسا امتیاز ہے جو ان کی تعداد سے کہیں زیادہ ان کے وزن کو بڑھا دیتا ہے۔

❷ مدارس کی قوت کا اصل جوہر کتاب وسنت میں پوشیدہ ہے۔اسلام قرآن وحدیث کا نام ہے اور پاکستان میں کتاب وسنت تک ڈائریکٹ رسائی صرف علماء مدارسِ دینیہ کی ہے۔یہی وہ

لوگ ہیں جو دورانِ تعلیم قرآنِ کریم کی تفسیر کے ساتھ احادیثِ نبویہ کو سبقاً سبقاً پڑھتے ہیں۔ جب کہ حکومتی سطح پر قرآن وحدیث کی تعلیم جزوی بنیادوں سے آگے نہیں بڑھی۔

کتاب وسنت کے ساتھ ائمہ اسلاف کے وارث اور ان کے علمی کارناموں کے جانشین مدارسِ دینیہ کے علما ہی ہیں۔ چودہ سو سالوں میں مسلمان اہل علم نے جس قدر شاندار علمی لٹریچر تیار کیا ہے، ان سے آگہی بھی انہی کو حاصل ہے۔ اسلامی تاریخ میں علوم کے زرّیں دور سے اُنہیں آشنائی ہے۔ اور یہ کتاب وسنت اور ائمہ اسلاف کے فرامین ہی ہیں جو انسان کو ایمان وایقان کی دولت فراہم کرتے ہیں۔ قربانی کا ایسا جذبہ جس کے بعد انسان اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے، کتاب وسنت کے بلاواسطہ احکامات کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ اِنہی مدارس سے جہاد کی تحریکیں پھوٹتی ہیں اور زمانے کی ظالم قوتوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جہاد کی ان تحریکوں کو مدارس کے فضلا نے جتنے نوجوان فراہم کئے ہیں، اس کا جائزہ چشم کشا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ فدائی حملے کے لئے جان ہتھیلی پر لے کر آگے بڑھتے ہیں، وہ قرآن وسنت کے ولولہ انگیز وعدوں کے بل پر اپنی جان کا یہ سودا کر گزرتے ہیں۔ دورِ حاضر کے ذہن دماغ اس امر پر آج بھی حیران ہیں کہ کس طرح ایک انسان اپنی جان کا بھی نذرانہ پیش کر دیتا ہے، لیکن اسلامی عقائد کا مطالعہ کرنے والے شخص کے لئے یہ باتیں کسی اچھنبے کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسلامی تاریخ ایسے جانثاروں سے بھری پڑی ہے، اور ہمیشہ سے کفر ان مجاہدوں سے لرزہ براندام رہا ہے۔

مدارس کے علما کے ہاتھوں میں اللہ کے قرآن اور نبیؐ کے فرمان کے ذریعے ایسی زبردست قوت موجود ہے کہ اس سے وہ مسلمانوں کو کسی بھی مرحلہ پر آمادۂ جہاد کر سکتے ہیں۔ جہاد کرنے والے سب مدارس کے تعلیم یافتہ نہیں ہوتے لیکن ان کے جذبات کو گرمانے والے اور شوقِ شہادت پر اُبھارنے والے، بہتر جزا کا یقین پیدا کرنے والے مدارس کے فیض یافتہ علما ہی ہیں۔ مدارس کے فیض یافتگاں کے پاس وحی کا جوہر ایسا عظیم الشان امتیاز ہے، جس کے آگے دنیا کی کوئی قوت ٹھہر نہیں سکتی، ضرورت صرف اس جوہر کو سمجھنے اور اس کے درست تقاضوں پر عمل کرنے کی ہے۔

بعض بھولے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کو ہماری مزعومہ بنیاد پرستی، دین پسندی اور جہاد

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

پروری سے ہی عداوت ہے اور وہ اس میں توازن واعتدال پیدا کرنے کی نیک خواہش رکھتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ کفر مسلمان سے اس وقت تک راضی ہو نہیں ہوسکتا جب تک مسلمان اپنا دین چھوڑ کر ان کے دین کی پیروی نہ کرلیں......

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَنْ نَصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُم﴾ البقرۃ: ۱۲۰

کفر کو اصل خوف اسلام کی اساسی تعلیمات سے ہی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِوًا نُوْرَ اللهِ بِأفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

''یہ لوگ اللہ کے نور کو منہ سے (پھونکیں مار مار کر) بجھانا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا چاہے یہ بات کافروں کو بری ہی لگے۔'' (الصّف: ۸)

بیسیویں صدی میں یورپ کے کئی نامور مفکر اس بات کو دہرا چکے ہیں کہ جب تک قرآنِ کریم اس دنیا میں موجود ہے دنیا میں امن نہیں ہوسکتا، نعوذ باللہ۔ انکے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کی موجودگی میں کفر کی عالمی حکومت قائم نہیں ہوسکتی اور اپنی حکومت کو وہ امن وانصاف پروری سے باور کراتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد ان ہفواتی خیالات کا اظہار بارہا کیا گیا:

واشنگٹن ٹائمز میں ایک امریکی دانشور اپنے مضمون میں صراحت سے لکھتا ہے کہ

''مسلمانوں کی دہشت گری کی جڑیں خود قرآن کریم کی تعلیمات ہیں اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ایک دہشت گرد اور انتہا پسند اقلیت نے مسلمانوں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ بلکہ اصل مسئلہ خود قرآنی تعلیمات کا پیدا کردہ ہے۔اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو تبدیل کرنے پر اعتدال پسند مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے۔''

ایسے ہی ایک یورپی ادارے انٹرنیشنل کرائسز منیجمنٹ گروپ نے قرآن وسنت پر مبنی معلومات کو نفرت انگیز قرار دیا ہے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایسے نفرت انگیز مواد کی تعلیم کو روکنے کے انتظامات کرے۔

مدارس سے وابستہ چونکہ قرآن وسنت کی بنیاد پر اسلامی تہذیب وتمدن کو قائم کرنے کے داعی ہیں اور وہ براہِ راست وحی کے ان دونوں ماخذوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسی لیے یہ لوگ عالمی کفر کو اپنے سب سے بڑے دشمن نظر آتے ہیں۔کوئی بھی مسئلہ پیش آجانے پر قرآن واحادیث سے رجوع اور اس کی بنیاد پر اس کے حسن وقبح کا فیصلہ کرنا اسلامیت کا تقاضا

© rasailojaraid.com

ہے، لیکن یہ قدامت وبنیاد پرستی، جدید تہذیب کے ترتیب وتعلیم یافتہ لوگوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا درس دینا شروع کر دیتے ہیں۔

۳ مدارس کے اس شاندار کردار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غیروں کی تعلیم سے آراستہ اور ان کے نظامِ تعلیم (سکول وکالج) کے پروردہ لوگ دورانِ تعلیم ان کی علمی ہیبت سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جن سے علم وفلسفہ وہ پڑھتے ہیں اور جن شخصیات سے وہ متعارف ہوتے ہیں تو لازمی سی بات ہے کہ اس کا اثر بھی ان کے فکر وذہن پر مرتسم ہوتا ہے۔

مدارس کے پڑھے ہوئے لوگ گو کہ موجودہ دنیا کے بارے میں زیادہ باخبر نہیں لیکن اپنے شاندار ماضی اور عظیم علمی روایات سے انہیں آگاہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی زمانے کی عظیم قوت کے سامنے وہ مرعوبیت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ انسان اپنے آپ میں پر اعتماد ہو تب ہی وہ عظیم کارنامے انجام دے سکتا ہے، اور اگر انسان غیروں کی برتری میں مسحور ہو تو اپنی سی صلاحیت سے بھی کام نہیں لے سکتا۔

اوّل تو جس اسلامی عقیدہ کو وہ دورانِ تعلیم بار بار پڑھتے ہیں، وہ ان کی شخصیت کا لازمی جز بن جاتا ہے۔ اور جو شخص اسلامی عقائد کے بارے میں معمولی سا بھی علم رکھتا ہے، وہ وسائل اور ظاہری قوت پر بھروسہ کرنے کی بجائے قوت وجبروت رکھنے والے اللہ ربّ العٰلمین کی کبریائی پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اس کو بدر واُحد کے معرکے بھی ذہن میں تازہ ہوتے ہیں جب اللہ اپنے بندوں کی فرشتوں کے ذریعے بھی مدد کرتا ہے......

﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ﴾ (البقرۃ:۲۴۹)

اور ﴿وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

ایسے ہی یہ لوگ مغرب کی شخصیات سے مرعوب ہونے کی بجائے اسلامی شخصیات کی علمی وذہنی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ائمہ اسلام کی شان، دیانت وامانت، حفظ وورع اور علم وفلسفہ سے آگاہی ہے، وہ یورپ کے فلسفیوں اور دانشوروں سے کیا متاثر ہوں گے؟ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں علوم کی جس طرح سرپرستی کی اور نت نئے علوم کی تدوین وتہذیب کی، ان کے مطالعہ کے بعد علم کے میدان میں یورپ کی برتری کے دل سے کبھی قائل نہیں ہو سکتے۔

اس مرعوبیت کی ایک نمایاں مثال اس دور میں بھی ہمارے سامنے آتی ہے جب طالبان

کے سربراہ ملا عمر نے تمام بے سروسامانی کے باوجود وقت کی سپر قوت سے ٹکرانے میں پس وپیش نہ کی اور جدید تعلیم کے پروردہ جنرل پرویز مشرف نے ایٹمی قوت ہونے کے باوجود جنگ سے قبل ہی امریکہ کے در پر جبینِ نیاز جھکا دی۔ یہ دو رویے اپنے نظامِ تعلیم اور ذہنی تربیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہمیں حکمتِ عملی اور حالات پر نظر رکھنے کی ضرورت سے انکار نہیں اور اسلام صرف کفر کے آگے نہ جھکنے اور اعلیٰ اقدار کی پاسداری کرنے کا نظریہ ہی پیش نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلام ہمیں ہر ممکن جنگی تیاری اور بھرپور سفارتی وسیاسی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ دین کے بعض احکامات پر عمل کر کے کچھ حصے پر عمل کرنے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوسکتے، لیکن مشکلات ومصائب کے بالمقابل انسان کی بنیادی شخصیت کا جوہر بہرحال نمایاں ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا مثال سے صرف اس بنیادی جوہر کی نشاندہی مقصود ہے۔ یہ امر بہرحال مسلم ہے کہ انسان کے فیصلے، طرزِ عمل اور رویے اس کے عقائد ونظریات کا پرتو ہوتے ہیں!!

مدارس کے بارے میں مذکورہ بالا جو خصوصیات ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں، ان کو گنوانے کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہم گویا مدارس کے اس نظام سے سو فیصد متفق ہیں اور ان میں کسی ترمیم واصلاح کے ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہ مدارس کے کام کے امتیازی اور مثبت پہلو ہیں جن سے مسلمانوں کو صرفِ نظر نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ان کی اس اہمیت کا تذکرہ ہے جس کی وجہ سے مدارس کو اسلام کے قلعے کہا جاتا ہے لیکن اسلامی تاریخ تعلیم وتعلّم اور علم پروری کی جن شاندار روایات کو ہمارے لئے محفوظ کرتی ہے، موجودہ مدارس کا دامن بھی اُن سے خالی ہے۔ مدارس میں اصلاحِ احوال کی بہت زیادہ گنجائش موجود ہے اور اس پر متعدد پہلوؤں سے لکھا جا سکتا ہے، لیکن ایسے عالم میں جب ہر طرف سے ان کے وجود کو نشانہ بنایا جارہا ہو، اور مسلمانوں میں ان کی جڑوں اور خدمات کو دھندلا کرنے کی مذموم مساعی جاری ہوں، ان کے بارے میں آوازۂ اصلاح بلند کرنا ایک اعتبار سے تنقید کرنے والوں کی تائید کرنا ہے۔ یہ امر ان حالات میں حکمت کے بالکل منافی ہے کہ ان پر تنقید کی جائے بلکہ اس وقت ان کو عزم وحوصلہ دینے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنے اور عوام الناس کو ان سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔

یوں بھی یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ جن اداروں کو کسی حکومتی سرپرستی کے بغیر صرف عوامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعاون کے سہارے چلایا جارہا ہو، اور ان میں ترغیب وآسانی کی کسی گنجائش کے بجائے ہردم سختی اور گرفت کا رویہ رکھا جائے، وہاں مثالی معیار کی توقع کیونکر رکھی جاسکتی ہے۔ مدارس کی خدمات کا اعتراف کے بجائے اُنہیں معاشرے میں اجنبی بنانے کی مذموم کوششیں عروج پر ہوں، مدارس کی سندات کو قبول کرنے کی بجائے ان سے گریز کی پالیسی زیر عمل ہو، امن وامان کا یہ عالم ہو کہ مدارس کے نامور اساتذہ کو دہشت گردی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہو، ان حالات میں کیونکر ان کا مقابلہ ایسے اداروں سے کیا جائے جنہیں ملک کے ذہین اور مقتدر طبقہ کی ہمہ نوعیت سرپرستی حاصل ہو۔

☜ یہ مدارس اپنے طلبہ کو مفت تعلیم ہی فراہم نہیں کرتے بلکہ ان طلبہ کی جملہ ضروریات تدریسی کتب، علاج اور لباس کی کفالت بھی کرتے ہیں۔اور ان کی جتنی کوششیں نظامِ تعلیم کی بہتری پر صرف ہونی چاہئیں، اس سے کہیں زیادہ اس مالیت کو جمع کرنے میں صرف ہوجاتی ہیں جن سے ان کے طلبہ کی رہائش اور قیام وطعام کے دیگر تقاضے پورے ہوتے ہیں۔کیا وطن عزیز میں ایسا کوئی نظامِ تعلیم ہے جو صرف مفت تعلیم ہی فراہم کرے۔گورنمنٹ پنجاب نے غیر ملکی امداد کے بل بوتے پر ابھی حال ہی میں یہ امتیاز حاصل کیا ہے ،لیکن کہاں ایک کثیر وسائل والی حکومت جو عوام کے ہی ٹیکسوں سے عمارتیں اور اساتذہ مہیا کرتی ہو یا ایسے عالمی قرضوں کی مدد سے جن کا وبال بعد میں آغا خان بورڈ کی صورت میں نازل ہو۔

معروضی تجزیہ اور زمینی حقائق کا دعویٰ کرنے والے ہمارے یہ ذہین وفطین دماغ پھر یہ تجزیہ کرنے چل نکلتے ہیں کہ مدارس میں رہائشی معیار بلند نہیں،سہولیات کا سٹینڈرڈ بڑا پست ہے۔ پھر بعض مثالیت پسند شہری انہیں بیکن ہاؤس سکول سسٹم اور آغا خان میڈیکل یونیورسٹی سے موازنہ کرکے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ادارے تگڑی فیسوں کے علاوہ امریکی ثقافت کو پروان چڑھانے کی امریکہ سے ہرسال کتنی بڑی قیمت تعلیم کی سرپرستی کے نام پر وصول کرتے ہیں۔

☜ یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت صرف مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو حاصل ہے کہ وہ بادِ مخالف کی پروا کئے بغیر اپنی زندگی اسلام کے فروغ کے لئے وقف کردینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ مدارس کے فضلا کے خلاف ہردم شعلے اُگلنے والے ذرائع

ابلاغ اور اس کے نتیجے میں معاشرے میں اپنی قدر و قیمت کھونے کا شعور ہونے کے باوجود یہ انہی کا حوصلہ ہے کہ دین کی خدمت کا بارِ گراں اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھانے کا عزم رکھتے ہیں۔ یہ سعادت ان لوگوں کے حصے میں نہیں آتی جو قربانی کا عزم اور جذبہ نہ رکھتے ہوں۔ ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ آج کے معاشرے کا جدید نوجوان اپنے وقت کے چند گھنٹے دین کے فروغ پر لگانے کے بجائے اُسے معاش کے حصول میں صرف کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنی کوتاہی پر نظر کرنے کی بجائے ان اداروں کو الزام دیتا ہے جہاں اسے سٹینڈرڈ کے ساتھ نشست و برخاست کی سہولتیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ درحقیقت اس کے پاس اس تعلیم کے لئے ہفتے میں چند گھنٹوں کا وقت بھی نہیں جو روحانی پہلو سے اس کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے۔ جدید دور کا مادّی انسان ہر چیز کو مال وزر کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہے، لیکن ایسے دور میں مدارس کے طلبہ اس سے بے نیاز ہوکر اپنے وقت اور صلاحیتوں کو اسلام کے فروغ کے لیے پیش کرتے ہیں تو اسلامی معاشرے کا ہر فرد ان کے احسان تلے ہے، کیونکہ معاشرے پر عائد دینی تعلیم کے فروغ اور حفاظت کا فرضِ کفایہ انہوں نے ادا کرکے باقی کو گنہگار ہونے سے بچا رکھا ہے۔ معاشرے میں 'اجنبیت کا عذاب' سہہ کر یہ لوگ اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔

☜ تعلیمی اداروں میں تعلیم و تدریس پر ہی توجہ دی جاتی ہے، اور یہ تعلیمی ادارے بذاتِ خود معاشرے میں اس امر کے علاوہ کوئی کردار ادا نہیں کرتے کہ وہ چند بچوں کو مخصوص نوعیت کے علوم اور فکری تربیت سے آراستہ کردیتے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ مدارس کا معاشرتی تعمیر واصلاح میں ڈائریکٹ کوئی کردار ہے اور نہ ہی اس نوعیت کے دیگر تعلیمی اداروں کا۔

لیکن یہ تعلیمی ادارے دراصل ایک نسل کو تیار کرنے کے ذریعے مختلف مقاصد اور پروگراموں کے لئے افرادِ کار تیار کرتے ہیں جو بعد میں ان شعبوں میں کھپ کر انہیں تعمیر وترقی سے آراستہ کرتے ہیں۔ افراد کی تیاری کے لئے تعلیمی اداروں کا کردار اساسی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو مدارس کے تعلیمی اداروں سے معاشرے میں خاطر خواہ تبدیلی کا دعویٰ سمجھ نہ آتا ہو لیکن ان مدارس سے فیض یافتہ لوگوں کی جن شعبوں میں کھپت ہوتی ہے اور ان مدارس سے جن پروگراموں کو نوجوان فراہم ہوتے ہیں، ان کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان شعبوں کا چلنا دراصل انہی مدارس کے مرہونِ منت ہیں۔

© rasailojaraid.com

آسان الفاظ میں سمجھنے کے لئے ایک درخت کی مثال لیجئے۔ درخت کا تنا جو کسی درخت کے لئے سب سے بنیادی نوعیت کا کام کرتا ہے، بذاتِ خود اس پر پھل یا پتے نہیں لگتے، لیکن اس تنے کی صحت و بیماری پر ہی اس پھل کی خوبی و ناخوبی کا دارومدار ہوتا ہے، اگر کسی درخت کا تنا کرم خوردہ ہوجائے تو اس کا پھل بھی عنقریب ختم ہوجائے گا۔ ایسے ہی اس تنے کی زمین میں جڑیں جتنا مضبوط ہوں گی، اس درخت کے فوائد اور مضبوطی میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔

تعلیمی اداروں کی مثال درخت کے تنے کی ہوتی ہے، ان کے فیض یافتہ زندگی کے مختلف شعبوں میں جو کارنامے انجام دیتے ہیں، وہ اس درخت کے پھل تصور ہوتے ہیں۔ درخت کے تنے پر چونکہ پھل نہیں لگتا ، اس لئے اس کو بے کار قرار دینا سطحیّت ہے۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں جن امتیازات کا ذکر کیا ہے، وہ سب اسی تنے کا پھل ہیں۔ عقلمند لوگ پھل کو یا شاخوں کو کاٹنے کی بجائے اصل تنے کو نشانہ بناتے ہیں، کہتے ہیں چور کو نہیں، چور کی ماں کو پکڑو۔ ایسے ہی دانا لوگ شاخوں کو غذا دینے کی بجائے تنے کو مضبوط بنانے میں اپنی توجہ صرف کرتے ہیں۔ تنا مضبوط ہوگا تو اس کے ثمرات بھی بہت زیادہ ہوں گے !!

برصغیر کے یہ دینی مدارس عوام الناس کے لگائے ہوئے وہ پودے ہیں، جو اہل عزیمت کی قربانیوں اور عوام الناس کے تعاون سے غذا پا کر اب تناور درخت بن چکے ہیں۔ ان مدارس کا جب آغاز ہوا تھا، تب ہر گلی محلّہ سے ایک ایک ٹکڑا روٹی جمع کر کے یہاں کے طلبہ اپنی خوراک پوری کرتے اور یہاں پڑھانے والے اساتذہ رزقِ کفاف پر قناعت کر کے دن رات دین کی خدمت میں صرف کرتے۔ ڈیڑھ دو سو سال کے عرصہ میں یہ نظام مضبوط ہو چکا ہے، اور اگر عوام الناس اس کی مدد پر یونہی کاربند رہے تو وحی و شریعت کا یہ درخت ہمیشہ تن آور اور سدا بہار رہے گا۔ اگر برصغیر کے مسلمانوں نے ان کی حفاظت میں کوتاہی کی تو اللہ یہ سعادت ان لوگوں کو عطا کرے گا جو اس دین کی حفاظت اور فروغ کی ذمہ داری کا حق ادا کرنیوالے ہوں گے۔

یہاں کے مسلمان عوام کے دینی جذبہ نے اس درخت کو سینچنے میں اپنا خون دیا ہے، جس درخت کی جڑیں عوام میں ہوں، گویا اس کی جڑیں بہت گہری ہیں اور کسی کے گرانے سے اس کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اللہ ہمیں ان مدارس سے فیض یاب ہونے اور ان کی حفاظت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

یہاں صرف مدارس کی خدمات پر اکتفا کیا گیا ہے، مدارس پر اعتراضات کی وضاحت کے لئے عنقریب

لکھا جائے گا، ان شاء اللہ...... مضمون کے مندرجات کے بارے میں قارئین کی آرا کا خیر مقدم کیا جائے گا

www.KitaboSunnat.com